حافظ محمد ابراہیم شیخ

اہل جاہلیت کے دینی شعائر

[ڈاکٹر جواد علی کی کتاب ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' کے باب ۷۱ سے ماخوذ]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہر دین کے کچھ شعائر ہوتے ہیں۔ یہ شعائر اس کے لیے ایسی نشانی اور علامت ہوتے ہیں جو اسے دوسرے ادیان سے ممیز کرتے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے عرب یعنی اہل جاہلیت کئی قبیلوں اور قوموں میں منقسم تھے۔ انھیں نہ کسی وحدت فکر نے جمع کیا ہوا تھا اور نہ کسی ایک حکومت یا ایک متفق علیہ عقیدے ہی نے باندھ رکھا تھا۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے کے دور یعنی زمانۂ جاہلیت کے تمام عربوں کے شعائر ایک ہی قسم کے ہوں۔

اہل جاہلیت کے مذاہب کے بارے میں جو معلومات ابھی بیان کی جائیں گی، وہ یا ان جاہلی عبارات سے حاصل شدہ ہیں جو زیادہ تر مغربی اور جنوبی عرب سے متعلق ہیں یا ان اسلامی ذرائع معلومات سے حاصل کی گئی ہیں جو ظہور اسلام سے کچھ عرصہ پہلے کے اہل حجاز اور نجد کے بعض علاقوں سے متعلق ہیں۔ اس سب کچھ کا ذکر قرآن کریم، حدیث نبوی اور کتب تفاسیر و سیرت میں آیا ہے یا پھر تاریخ کی ان کتابوں میں آیا ہے جن کا تعلق ظہور اسلام یا اس سے متصل جاہلی دور سے ہے۔

اہل جاہلیت کے دینی شعائر میں جو چیزیں سرفہرست ہیں، وہ بت اور ان کے معبد ہیں اور نماز و سجود، طواف، نذروں، اوقاف اور قسموں کے ذریعے سے بتوں کا قرب حاصل کرنا ہے۔ حصول تقرب کا مقصد یہ تھا کہ وہ بت اپنے پجاریوں پر احسان کریں اور صحت، عافیت، مال اور اولاد میں سے جس جس چیز کی انھیں خواہش ہو، عطا کریں۔ اب تک حاصل ہونے والی جاہلی تحریریں بھی کم و بیش انھی معلومات تک محدود ہیں اور اہل جاہلیت کے مذہب کے حوالے سے ان امور کے بارے میں جو کچھ تاریخی روایات میں آیا ہے، وہ بھی کم و بیش یہی ہے۔

نماز

جاہلی عبارات میں بتوں کے لیے اسلامی طریقۂ عبادت کے مطابق نماز پڑھنے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور مورخین کی روایات میں بھی نماز کی کوئی واضح اور صحیح شکل نہیں مل سکی ہے، البتہ یہود و نصاریٰ اور اہل عرب کی نمازوں سے متعلق کچھ معلومات ضرور موجود ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں مقررہ اوقات پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان کے اس معمول سے بعض اہل جاہلیت بھی باخبر تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اشعار میں اور اہل کتاب سے متعلق اپنی گفتگوؤں میں اسے بیان بھی کیا ہے۔

سورج کی پوجا کرنے والوں نے اس کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کے رنگ کا ایک نگینہ تھا۔ اس بت کا ایک خاص گھر تھا جو انھوں نے اسی کے نام پر تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس بت کے لیے بہت سی بستیاں اور زرعی زمینیں وقف تھیں۔ اس کے بہت سے خدام، منتظمین اور دربان تھے۔ وہ دن میں تین بار اس گھر میں آتے اور سورج کی نماز پڑھتے۔ وہاں مصیبت زدہ لوگ آتے اور اس بت کے لیے روزہ رکھتے، نماز پڑھتے، اسے پکارتے اور اس کی شفاعت کے طالب ہوتے۔ یہ سب کے سب سورج کو اس وقت سجدہ کرتے جب وہ طلوع ہوتا، غروب ہوتا اور آسمان کے درمیان میں ہوتا۔ اسی لیے ان تینوں اوقات میں شیطان بھی سورج کے ساتھ ہو جاتا، تاکہ ان کی عبادت اور سجدے اس کے لیے ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کی ظاہری مشابہت سے بچنے اور شرک و بت پرستی کا راستہ بند کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے قطعی طور پر منع کیا ہے[1]۔ مشہور مورخ یعقوبی نے بھی بیان کیا ہے کہ عرب جب خانۂ کعبہ کے حج کا ارادہ کرتے تو ہر قبیلہ اپنے بت کے پاس کھڑا ہوتا اور اس کے پاس نماز پڑھتا پھر تلبیہ کہتا[2]۔ بہر حال درج بالا دونوں خبروں میں اہل جاہلیت کے ہاں نماز کے وجود کا ثبوت موجود ہے۔ سورج کے پجاریوں کے بارے میں جو معلومات بیان ہوئی ہیں، ان سے خاص طور پر ان کے ہاں نماز کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دن میں تین بار اس کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

نماز اور ذکر کے مفہوم میں تسبیح کے لفظ کا استعمال بھی موجود ہے۔ یہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کو کوڑے مارے جنھوں نے عصر کے بعد تسبیح کی یعنی نماز پڑھی۔ اور اعشی کا قول ہے:

وسبّح علیٰ حین العشیّات و الضّحیٰ   و لا تعبد الشیطان واللہ فاعبدا

''صبح وشام کے اوقات میں تسبیح کرو اور شیطان کی عبادت مت کرو، بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔''

---

[1] بلوغ الارب ۲/۲۱۵۔

[2] الیعقوبی ۱/۲۲۵۔

یہاں تسبیح سے مراد صبح وشام کی نماز ہے۔ چنانچہ اسی پر اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ" کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو وقتوں یعنی صبح اور شام کی نماز کا حکم دیا ہے[3]۔

اہل جاہلیت اپنے مردوں پر بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ میت کو چارپائی پر ڈالا جاتا، پھر اس کا ولی کھڑا ہوتا اور اس کے سارے محاسن بیان کرتا، اس کی تعریف کرتا اور پھر کہتا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ اس کے بعد اسے دفن کیا جاتا[4]۔

لوگوں کے سورج اور چاند کو سجدہ کرنے کا بیان قرآن کریم میں بھی موجود ہے:

وَ مِنْ آیَاتِہِ اللَّیْلُ وَ النَّھَارُ، وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ، وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔ فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا، فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَہٗ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَ ھُمْ لَا یَسْأَمُوْنَ۔ (حم السجدہ ۴۱: ۳۷۔۳۸)

''اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں۔ نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔ پھر اگر وہ تکبر کریں تو (وہ جان لیں کہ) جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی دن رات تسبیح کرتے ہیں اور اکتاتے نہیں ہیں۔''

ان آیات کی تفسیر میں امام طبری لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش کے یہ مشرکین، جن کے مابین آپ موجود ہیں، تکبر کریں اور اس بات کو گراں سمجھیں کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جس نے ان کو اور شمس و قمر کو پیدا کیا ہے تو وہ جان لیں کہ ملائکہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس بات پر نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اسے گراں سمجھتے ہیں'' (۲۴/ ۷۷)

اہل سبا کے سورج کی عبادت کرنے اور اس کو سجدہ کرنے کا بیان درج ذیل آیات میں موجود ہے:

وَ جِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ۔ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ، وَلَھَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ وَجَدْتُّھَا وَقَوْمَھَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ، فَھُمْ لَا یَھْتَدُوْنَ۔

''اور میں ملک سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت اس پر حکمرانی کر رہی ہے اور اس کو سب کچھ حاصل ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیے ہیں، پس ان کو صحیح راہ سے روک دیا

۳؎ اللسان ۲/ ۴۷۳۔

۴؎ المحبر ۳۲۰۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہے، پس وہ راہ یاب نہیں ہو رہے ہیں۔‘‘ (النمل ۲۷: ۲۲۔۲۴)

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ملکۂ سبا کی ایک کھڑکی تھی جو طلوع آفتاب کے رخ پر تھی۔ جب سورج نکلتا تھا تو وہ اس میں نمودار ہوتی تھی اور اسے سجدہ کرتی تھی۔[5]

چنانچہ اس قوم کا سجدہ سورج کے لیے ہوا کرتا تھا اور یہ اس کی عبادت اور اس کی تعظیم کی خاطر ہوتا تھا۔

روزہ

جاہلی تحریروں میں روزے کی وہ شکل نہیں ملتی جو اہل کتاب یا مسلمانوں کے ہاں موجود ہے۔ لغت میں ’صوم‘ سے مراد کسی چیز سے رکنا یا اسے چھوڑنا ہے۔ روزہ دار کو کھانے، پینے اور شہوت سے رکنے، جبکہ خاموش شخص کو گفتگو سے باز رہنے کی وجہ سے صائم کہا جاتا ہے۔ سورۂ مریم میں ہے:

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ : اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ، فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۔ (۱۹: ۲۶)

’’اور اگر کوئی آدمی معترض ہو تو اس سے اشارے سے کہہ دیجیو کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے، تو آج میں کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتی‘‘۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہاں ’صوم‘ سے مراد ’صمت‘ یعنی خاموشی ہے، کیونکہ آیت کا آخری حصہ ’فلن اکلم الیوم انسیا‘ اسی معنی کو تقویت دے رہا ہے۔ اسی طرح ’صوم‘ کا معنی صبر بھی ہے۔

اسلام میں روزے کے اصول مدنی سورتوں نے مقرر کیے ہیں، کیونکہ روزے کا زیادہ تر بیان مدنی سورتوں میں ہوا ہے۔ مکی سورتوں میں روزے کا بیان صرف ایک جگہ سورۂ مریم کی اسی آیت میں ہوا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی ہے۔

یہود و نصاریٰ کا روزہ ان اہل جاہلیت کے ہاں معروف تھا جن کا اہل کتاب کے ساتھ میل ملاپ تھا۔ مثال کے طور پر اہل یثرب کو یہود کے روزوں کا علم تھا، کیونکہ وہ ان کے درمیان موجود تھے۔ عراق اور شام کے عربوں کو نصاریٰ کے روزوں کا علم تھا، کیونکہ ان میں ایسے عرب قبائل موجود تھے جو عیسائی ہو گئے تھے، جبکہ اہل مکہ بالخصوص احناف (دین حنیف پر قائم لوگوں) اور تاجر حضرات کو اہل کتاب کے روزوں کا علم تھا۔ ان کو راہبوں کے روزوں کا بھی علم تھا جس کی شکل یہ تھی کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت پر غور و فکر کرنے کے لیے خاموش رہا جائے، سوچ بچار کی جائے اور خلوت میں بیٹھا جائے۔ تاریخی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت میں سے ان کے مسلک کو اختیار کرنے والے لوگ خاموشی، سوچ بچار، گفتگو سے پرہیز اور

---

۵ تفسیر طبری ۱۹/ ۹۴۔ تفسیر قرطبی ۱۳/ ۱۹۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

غار حرایا مکہ کے دوسرے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں خلوت اختیار کرنے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ قریش یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ اس دن جشن کرتے، عید مناتے اور کعبہ کو غلاف پہناتے۔ انھوں نے اس روزے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قریش نے دور جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تھا جس کا ان کے دلوں پر بڑا بوجھ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے کفارہ کے لیے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ پھر انھوں نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ جاری رکھا۔[6] یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دور جاہلیت سے عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ آئے تو آپ نے اس پر عمل جاری رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا، یہاں تک کہ رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہو گیا۔

علما نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ قریش نے دور جاہلیت میں اس دن کا روزہ سابقہ شریعت کی پیروی میں رکھا تھا اور وہ بیت الحرام کو غلاف پہنا کر اس دن کی تعظیم کیا کرتے تھے۔[7] بعض علما کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ ہجری کے شروع میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب رمضان کا حکم نازل ہو گیا تو جو چاہتا یہ روزہ رکھتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔ وہ قریش کے اس دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے ہاں ایک بڑا قحط آیا تھا۔ پھر جب وہ ان سے ہٹا دیا گیا تو انھوں نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا۔[8]

صاحب ''زاد المعاد'' لکھتے ہیں:

> ''قریش اس دن کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اسی دن کعبے کو غلاف پہناتے تھے، جبکہ روزہ آخری درجے میں اس دن کی تعظیم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یوم عاشورہ کے روزے کو باقی تمام دنوں پر فوقیت دیتے تھے، چنانچہ آپ رمضان کی فرضیت سے قبل یہ روزہ رکھتے رہے۔ پھر جب رمضان فرض ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے اس کو چھوڑ دے۔ لیکن جب آپ خود بطور نفل یہ روزہ باقاعدگی سے رکھتے رہے تو آپ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ اگلے سال ہم ۹ ذی الحج کو بھی روزہ رکھیں گے۔ لیکن اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ رحلت فرما گئے۔'' (۱/۱۷۴)

قریش کا یہ معمول بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے ہاں قحط پڑتا تھا تو اس کے ختم ہونے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اور اپنی دعا کی قبولیت پر اس کی حمد و ثنا کرنے کے لیے روزہ رکھتے تھے۔[9]

---

[6] بلوغ الارب ۲/۲۸۸۔

[7] ارشاد الساری ۳/۴۲۱۔

[8] ارشاد الساری ۶/۱۷۴۔

[9] ارشاد الساری ۶/۱۷۴۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محدثین نے بھی یوم عاشورہ کا روزہ بیان کیا ہے۔ان میں سے بعض نے اسے وہ روزہ قرار دیا ہے جو اسلام میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے تھا، جبکہ بعض کی رائے ہے کہ یہ ہجرت کے دوسرے سال تک فرض تھا، پھر رمضان کے روزوں سے منسوخ ہو گیا۔

قرآن کریم میں مکی و مدنی، دونوں طرح کی سورتوں میں روزے کا ذکر موجود ہے۔دونوں جگہ اس کے متعلق وحی کا نازل ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روزہ قدیم دینی شعائر میں سے ہے اور قریش کو اس کا علم تھا۔سورۂ مریم کی مذکورہ آیت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 'صوم' سے مراد محض کھانے اور پینے ہی سے رکنا نہیں تھا، بلکہ نبوت کے ابتدائی زمانے میں گفتگو سے باز رہنا بھی تھا۔

قریش کے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی یہ روایت ان دوسری روایات سے مطابقت نہیں رکھتی جو ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کی کیفیت بیان کرتی ہیں۔ان کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو انھوں نے یہود کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔وجہ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ وہی دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں ہم ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا۔لیکن جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ یوم عاشورہ کے روزے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا[۱۰]۔یہ بھی بیان ہوا ہے کہ خیبر اور مدینہ کے یہودی عاشورہ کے روزے کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور اس دن کو عید کے طور پر منایا کرتے تھے[۱۱]۔

یہود کے ہاں عاشورہ کا دن جسے کفارے کا دن بھی کہا جاتا ہے رکنے اور کٹنے کا دن ہے۔یہ عید المظال سے پانچ دن قبل واقع ہوتا ہے یعنی ۱۰ تشری کے دن اور یہی دن یوم الکبور (Kipur) بھی ہے۔اس دن کا روزہ غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن کے غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔اس دن کی حرمت ''سبت'' کی حرمت کے مانند ہے۔اور اسی دن سب سے بڑا یہودی عالم (کاہن اعظم) 'قدس الاقداس' (یہودی عبادت خانہ ''قُبّۃ الہیکل'' کی سب سے زیادہ مقدس جگہ) میں اس دن کے خاص دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے داخل ہوتا ہے[۱۲]۔

علماے تفسیر و حدیث نے روزے کی فرضیت اور اس سے قبل کے معاملے میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ مسلمان انھی کی طرح کے پچاس روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ ابو قیس بن صرمہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

۱۰ تفسیر طبری ۲/۲۶۵۔

۱۱ ارشاد الساری ۳/۴۲۳۔

۱۲ قاموس الکتاب المقدس ۲/۲۶۰۔

معاملے کے بعد مسلمانوں کے لیے طلوع سحر تک کھانا، پینا اور جماع کرنا حلال کر دیا گیا۔[13] بعض کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی فرضیت سے قبل لوگ ہر ماہ تین دن روزہ رکھتے تھے اور یہ روزے بھی فرض نہیں، بلکہ نفل تھے۔[14] بہر حال نہ اہل اسلام پر ماہ رمضان کے روزوں کے علاوہ کوئی روزہ فرض کیے جانے کے ثبوت کے لیے کوئی روایت موجود ہے اور نہ کوئی ایسی فیصلہ کن روایت ہی موجود ہے جو یہ بتائے کہ مسلمان مدینہ ہجرت کرنے سے قبل مکہ میں بھی روزے رکھتے تھے۔

ابوصرمہ انصاری اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے قصے کا عاشورے کے روزے یا روزوں کی تعداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس قصے کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ تفسیر طبری[15] کے مطابق یہ ہے کہ ابتدا میں مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا تھا کہ رمضان میں روزہ افطار کر لینے کے بعد جب تک وہ نہ سوئیں، ان کے لیے کھانا، پینا اور بیویوں کے پاس جانا حلال ہے۔ مگر جب وہ سو جائیں تو یہ سب کام پہلے کی طرح حرام ہیں۔ مسلمان اسی حکم پر قائم رہے، یہاں تک کہ ایک دن ابوقیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ افطار کے فوراً بعد سو گئے۔ ان دنوں وہ مدینہ کے باغات میں مزدوری کیا کرتے تھے۔ جب وہ اٹھے تو انھوں نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا اور روزہ رکھ لیا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات اپنی ایک لونڈی سے مباشرت کر لی۔ چنانچہ درج ذیل آیت کے نزول سے یہ حکم ان سے منسوخ ہو گیا:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ ...... (البقرہ ۲: ۱۸۷)

”تمھارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کیا گیا ہے۔ وہ تمھارے لیے بمنزلۂ لباس ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلۂ لباس ہو۔ اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے......“

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

معلوم ہوتا ہے کہ عاشورے کے دن قریش کے روزے کی روایت بعد میں آنے والی روایت ہے۔ کیونکہ نہ اس کی تائید کرنے والی کوئی سند ہے اور نہ اس دن قریش کا روزہ رکھنا ہی سمجھ میں آتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک مشرک قوم تھے۔ عاشورہ کا روزہ یہود کے روزوں میں سے ہے اور یہ ان کے ہاں کفارے اور استغفار کا روزہ ہے۔ آخر قریش اس دن کیوں استغفار کریں گے اور کیوں روزہ رکھیں گے؟ اور انھوں نے وہ کون سا گناہ کیا تھا جس کی اپنے معبودوں سے معافی مانگیں گے؟ چنانچہ اگر اہل جاہلیت کے ہاں کوئی روزہ تھا تو زیادہ قرین قیاس ہے کہ ”احناف“ ہی وہ روزہ رکھتے ہوں گے۔ تاریخی روایات میں ان کے عاشورہ یا غیر عاشورہ میں روزہ رکھنے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ دوسری طرف تفسیر، حدیث اور تاریخ سب کے علما یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کا روزہ مدینہ آ کر رکھنا شروع کیا اور رمضان کے روزے فرض ہونے تک

۱۳؎ تفسیر طبری ۲/ ۷۵۔

۱۴؎ تفسیر طبری ۳/ ۷۶۔

۱۵؎ ۲/ ۹۴۔

رکھتے رہے۔ چنانچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے بلا تحقیق عاشورہ کے روزے میں قریش کا نام ڈال دیا ہے تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ روزہ بھی ان قدیم عربی سنن میں سے ہے جو اسلام سے قبل تھیں اور یہ کہ قریش اسلام سے قبل روزہ رکھتے تھے۔

مورخین کی روایات کے مطابق اہل جاہلیت کا روزہ کھانے، پینے اور عورتوں کے پاس جانے سے رکنے کا روزہ بھی تھا ـــــ اور یہی اسلام کا روزہ ہے ـــــ اور گفتگو سے باز رہنے اور زبان کو روکنے کا بھی۔ یہ روزہ کم مدت کے لیے بھی ہو سکتا تھا جیسے ایک دن یا ایک ہفتہ اور زیادہ مدت کے لیے بھی۔ سورۂ مریم میں اسی روزے کا بیان ہے[16]۔ روایت کیا گیا ہے کہ اہل جاہلیت میں سے ''زہاد'' یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

خاموشی کا روزہ بطور نذر بھی رکھا جاتا تھا۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبیلۂ احمس کی ایک عورت زینب سے ملے تو آپ نے دیکھا کہ وہ بولتی نہیں تھی۔ وجہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے کہا: بات چیت کرو، کیونکہ ایسا روزہ جائز نہیں ہے، بلکہ یہ جاہلی اعمال میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے بات چیت شروع کر دی اور پھر آپ کے ساتھ ایک طویل گفتگو کی[17]۔

گزشتہ ساری بحث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'تصمیت' یعنی خاموشی کا روزہ اہل جاہلیت کے افعال میں سے تھا، ان کے ہاں معروف و معلوم تھا اور شاید یہ ان کی اہل کتاب سے اثر پذیری کا نتیجہ تھا۔

تحنث

اہل جاہلیت کے عبادت کے طریقوں میں سے تحنث بھی ہے۔ اس سے مراد بتوں کی عبادت کرنا اور ان کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اسی سے متعلق حکیم بن حزام کا یہ قول ہے:

''تم نے ان امور کے بارے میں غور کیا جن کے ذریعے سے میں دور جاہلیت میں عبادت کیا کرتا تھا جیسے صلۂ رحمی کرنا اور صدقہ کرنا اور میں انھی اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا کرتا تھا۔'' (تاج العروس ۱/۶۱۶)

تحنث کے معنی تنہائی اختیار کرنا بھی ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال غار حرا میں ایک خاص ماہ اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہ قریش کے ان طریقوں میں سے تھا جو وہ دور جاہلیت میں عبادت کے لیے اختیار کیا کرتے تھے۔ اس دوران میں آپ کے پاس جو مسکین آتا آپ اسے کھانا کھلاتے تھے۔ اعتکاف پورا کرنے کے بعد جب آپ واپس آتے تو سب سے پہلے کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے اور پھر اپنے گھر کو لوٹتے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ وہ خاص مہینا رمضان

---

[16] تفسیر طبری ۲/۹۴۔

[17] ارشاد الساری ۶/۱۷۵۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کا ہوتا تھا۔[18]

ختنہ

اہل جاہلیت کے دینی شعائر میں سے ختنہ کرنا بھی ہے۔ اور یہ ان شعائر میں سے ہے جو بہت عام تھے۔ وہ 'اغرل' یعنی غیر مختون شخص کو برا سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض بالخصوص اہل مکہ لڑکیوں کا بھی ختنہ کراتے تھے۔ ختنہ کرنے کے اس عمل پر خواتین مقرر تھیں۔ چنانچہ وہ اس شخص کو بھی برا سمجھتے تھے جس کی ماں عورتوں کے ختنے کرتی ہو، لہٰذا جب وہ کسی کی مذمت کرنا چاہتے تو اسے ''عورتوں کا ختنہ کرنے والی کا بیٹا'' کہہ کر بلاتے، اگرچہ اس کی ماں ختنہ کرنے والی نہ ہو۔[19]

غسل جنابت اور میت کا غسل

جہاں تک جنابت کے بعد غسل کرنے اور مردوں کو غسل دینے کا تعلق ہے تو یہ ان سنن میں سے ہیں جنھیں اسلام میں برقرار رکھا گیا ہے۔ غسل میت کا بیان جاہلی شاعر افوہ اودی کے ایک شعر میں ہوا ہے، جبکہ مردوں کی تکفین اور نماز جنازہ کا بیان اعشیٰ اور بعض دوسرے جاہلی شعرا سے منسوب اشعار میں موجود ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ قریش اپنے مردوں کو غسل دیا کرتے تھے اور ان کو خوشبو لگایا کرتے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم آغاز میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب دینی امور میں مختلف تھے۔ لہٰذا نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ باتیں تمام عربوں میں رائج تھیں اور نہ یہ دعویٰ ہی کیا جا سکتا ہے کہ یہ امور ان کے ہاں دینی شعائر تھے۔ البتہ، مشرکین کے غسل جنابت نہ کرنے کا بیان موجود ہے۔ چنانچہ مفسرین نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت میں لفظ 'نجس' سے مراد مشرکین کا جنبی ہونا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ، فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ، فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ۔ (۹:۲۸)

''ایمان والو، یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمھیں معاشی بدحالی کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کر دے گا۔''

تفسیر طبری میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نام اس لیے دیا ہے کہ وہ حالت جنابت میں غسل نہ کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ وہ ناپاک ہیں، لہٰذا

---

[18] تفسیر طبری ۲/۳۰۰۔

[19] تاج العروس ۳/۵۲۔

وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں، اس لیے کہ جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ مشرکین اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لاتے تھے اور اس کی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب ان کے مکہ میں داخلے کی ممانعت کا یہ حکم نازل ہوا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمارے کھانے پینے کے سامان کا کیا ہوگا؟ تو آیت کا یہ حصہ 'وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ، فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَآءَ' نازل ہوگیا۔'' (۱۰/۷۴۔۷۵)

قربانی اور حج

قربانیاں، نذریں، عبادت گاہوں کی زیارتیں اور حج جاہلی عربوں کی عظیم اکثریت کے ہاں نمایاں ترین دینی شعائر ہی نہیں، بلکہ کم و بیش کل دین کا مترادف تھے۔ ان کی زندگی کے معاملات اور مفادات سے ان شعائر کا گہرا تعلق تھا۔ وہ یہ سب کام اپنے معبودوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے تھے تاکہ وہ ان کو وافر غلہ اور مال عطا کریں۔ چنانچہ دعا کرنے کے ہر موقع پر وہ دنیوی مال و متاع ہی مانگا کرتے تھے۔ تفسیر طبری میں ہے کہ حج میں وقوف عرفات کے وقت ان کی یہ دعا ہوا کرتی تھی: ''اے اللہ ہمیں بکریوں کا ریوڑ عطا کر، اے اللہ ہمیں اونٹوں کا گلہ عطا کر۔''[۲۰] درج ذیل آیت میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا، وَ مَا لَه، فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ (البقرہ ۲: ۲۰۰)	''لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں کامیابی عطا کر، حالانکہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''

وہ مجبور تھے۔ اپنی غربت اور بھوک کو مٹانے کے لیے نذروں، قربانیوں اور حج کے ذریعے سے اپنے معبودوں کا قرب حاصل کریں۔ اس امید پر کہ وہ ان پر مہربانی کریں گے اور انھیں مال، کشائش، برکت اور صحت عطا کریں گے۔ وہ ان سے وابستہ رہتے تھے۔ وہ لاٹری (قسمت کی پرچیاں) یا گھوڑوں کی دوڑ کی ٹکٹیں بیچنے والے غریبوں اور محتاجوں کو منافع اور انعام کا لالچ دیا کرتے تھے۔

اسی مادی نظریے نے ان کے عام لوگوں کو ابھارا کہ وہ اپنے معبودوں کو یہ دھمکی دیں کہ اگر انھوں نے ان کی دعائیں نہ سنیں تو وہ نذریں پیش کرنے اور زیارت کرنے سے باز رہیں گے، لہٰذا وہ ان کی فرمایشیں اور مطالبات پورے کریں۔ مگر بعد میں اسی نظریے نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ان دھمکیوں سے رجوع کریں، معافی مانگیں، اظہار ندامت کریں اور اپنے معبودوں کو نئے سرے سے راضی کریں۔

---

۲۰ ۲/۱۷۴۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حلال وحرام

''التاریخ الکبیر'' میں ابن عساکر قبیلۂ خثعم کے ایک فرد سے منسوب روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عرب کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال نہ کرتے تھے۔ اور وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور انھی سے فیصلے کراتے تھے۔'' (۳۱۷/۱)

اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ حلال وحرام کا خیال رکھتے تھے۔ اور کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار ان کے مذہبی رہنماؤں کے پاس تھا۔ یعقوبی نے بھی عربوں کے ادیان اور شعائر پر بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مختلف قوموں سے میل جول رکھنا، دوسرے شہروں کی طرف آنا جانا اور چارے اور غلے کی تلاش میں پھرنا، وہ اسباب تھے جن کی بنا پر عرب مختلف مذاہب رکھتے تھے۔ چنانچہ قریش اور معد بن عدنان کی اکثر اولاد دین ابراہیم کے کچھ حصے کو اختیار کیے ہوئے تھی۔ وہ خانۂ کعبہ کا حج کرتے، مناسک ادا کرتے، مہمانوں کو ٹھیراتے، حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے اور فحش کاموں، قطع رحمی اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکتے اور جرائم پر سزا دیتے تھے۔'' (الیعقوبی ۲۲۴/۱)

گویا انھوں نے لفظ ''دین'' کے مفہوم میں وہ امور داخل کیے ہیں جن کا شمار آج معروفات اور قواعد اخلاق وکردار میں کیا جاتا ہے۔ نیز وہ انھیں سنت ابراہیمی میں شمار کرتے ہیں یعنی عربوں کا وہ قدیم دین جو بتوں کی پرستش کی خرابی سے قبل تھا۔

اسی موضوع پر ادب ولغت کے ماہر سکری لکھتے ہیں:

''عرب دوسری امتوں سے مختلف تھے۔ وہ دس اعمال بجا لاتے تھے۔ ان میں سے پانچ چہرے سے متعلق تھے یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک (دانتوں کی صفائی) کرنا، بالوں میں مانگ نکالنا اور مونچھیں تراشنا۔ جبکہ پانچ جسم سے متعلق تھے یعنی ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، بغلوں کے بال نوچنا، ناخن تراشنا اور استنجا کرنا۔ یہ اعمال عربوں کے ساتھ مخصوص تھے اور دوسری قوموں میں نہ پائے جاتے تھے۔'' (المحبر ۳۲۹)

گویا ان کی رائے میں یہی دس امور عرب کے شعائر ہیں۔ بہر حال یہ شعائر سارے عرب میں رائج تھے اور یہ دوسری امتوں کے بجائے صرف انھی میں خاص تھے۔ البتہ ایسے بہت سے امور ہیں جن میں سکری کی رائے کو بعینہٖ تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے مواقع پر تو اپنی بات کی تردید وہ خود ہی کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ انھوں نے ایک گروہ کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ حساب کتاب پر یقین رکھتے تھے'' اور ''وہ مردار نہیں کھاتے تھے''۔ پھر انھوں نے اپنی رائے کو سارے عرب پر عام کر دیا، حالانکہ یہ اہل جاہلیت کے صرف ایک گروہ کی رائے تھی، کیونکہ قرآن کریم نے ان کو حساب کتاب کے انکار کا مجرم گردانا ہے اور مسلمانوں پر مردار کا گوشت کھانا حرام کیا ہے۔[۲۱]

۲۱؎ بحوالہ روح المعانی ۵۱/۶۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عرب جاہلیت میں مردار کھایا کرتے تھے۔ حارثہ بن اوس کلبی ان میں سے ہیں جنھوں نے اپنے لیے مردار کھانا حرام ٹھیرایا ہوا تھا اور وہ جاہلی شاعر ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

لا آکل المیتة ما عمرت نفسی وإن أبرح املاقی

والعقد لا أنقض منه القوی حتی یواری القبر أطباقی

''جب تک میں زندہ ہوں مردار نہ کھاؤں گا، اگرچہ میری مفلسی برقرار رہے۔ اور جب تک میں زندہ ہوں اور قبر میرے جوڑ بند نہیں ڈھانپ لیتی، میں اپنے پختہ وعدوں میں سے کوئی نہ توڑوں گا۔'' (المحبر ۳۲۹)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com